سلاطین مغلیہ کی حیاتِ معاشقہ

از

جناب پروفیسر قاضی محمد ابراہیم ایم۔اے بی ٹی شعبہ فارسی اسماعیل یوسف کالج
جوگیشوری (بمبئی)

ہندوستان کی تاریخ میں مغلیہ حکومت کا دور جو اہمیت رکھتا ہے وہ تعارف کا محتاج نہیں اس کے بغیر ہر وہ تاریخ جو اس برِ اعظم کی بے شمار زبانوں میں لکھی گئی ہے نامکمل رہ جاتی ہے اس کا سنگِ بنیاد ظہیر الدین بابر نے رکھا اور اس استحکام سے رکھا کہ اس کے بعد بھی دو سو سال تک وہ قائم و دائم رہی۔ ہزاروں انقلاب اور حوادث رونما ہوئے لیکن اس حکومت کی ایک ایک اینٹ اپنی جگہ سہی و سالم رہی۔ شہنشاہ بابر کو زمانہ ایک فاتح کی حیثیت سے جانتا ہے اور یہ بجا بھی ہے کیوں کہ مغلیہ حکومت کی بنیاد کا سہرا اسی کے سر ہے۔ اس کی جوانمردی، قابلیت، ہمت اور جود و سخا کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اگر حقیقت کی عینک سے دیکھا جائے تو یہ فاتح بے شمار خوبیوں کا مالک تھا وہ صرف مردِ میدان ہی نہ تھا بلکہ اس میدان سے نکل کر بزمِ سخن و بزمِ ادب میں بھی اس نے طبع آزمائی کی، حکمرانی کے علاوہ اس نے قلمرانی بھی کی۔ جہاں اس نے ہمت افزا نعرے لگا کر اپنے فوجیوں کی ڈھارس باندھی وہاں اہلِ قلم کو بھی نوازا۔ اس کی علم پروری اور ادب نوازی کی وجہ سے اس کا دربار ایسے ادبی جواہر پاروں سے جلوہ گر اور رونق افروز تھا جن میں شعرا بھی تھے اور فلاسفر بھی، مورخ بھی تھے اور مصور بھی۔ بابر نے ان لوگوں کو بیش بہا صلوں سے مالا مال کیا اور ان کی ہمت افزائی کی۔ بابر علم دوست ہونے کے علاوہ خود صاحبِ قلم بھی تھا۔ اس کا ایجاد کردہ خط مشہور ہے اور آج بھی ہم آپ اور ساری دنیا خطِ بابری سے یاد کرتی ہے۔ یہ خط اسے اتنا پسند آیا کہ اس نے

قرآن مجید اسی خط میں لکھ کر مکہ روانہ کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی اپنی تاریخ منتخب التواریخ میں بابر کے ادبی کارناموں کو یوں بیان کرتے ہیں :-

"واز جملۂ عزائب اختراعات آں پادشاہ مغفرت پناہی خط بابریست کہ مصحفی بداں خط نوشتہ بمکۂ معظمہ فرستادہ و دیوان شعر ترکی وفارسی او مشہور است وکتابی دادہ در فقہ حنفی مبین نام"۔[1]

ان اوصاف اور خوبیوں کے ساتھ ساتھ یہ چیز بھی گرہ میں باندھ لینا چاہیئے کہ بابر سپاہی اور اہلِ قلم ہونے کے علاوہ اہلِ دل بھی تھا وہ حسن کا دل دادہ تھا اور صاحبِ حسن کا عاشق، اس میدان میں اس نے جو کارنمایاں کئے ہیں دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ خصوصاً اس کا ملکہ حسن بی بی مبارکہ کو ہر قیمت پر اپنانا لطف اور دلچسپی سے پُر ہے۔

ابتدائے عمر میں بابر بہت شرمیلا واقع ہوا تھا اور اسی وجہ سے اپنی پہلی بیوی عائشہ سلطان بیگم سے بہت کم ملتا اور اس کے ساتھ رہتا۔ بابر[2] خود اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ اس کے شرمیلے پن کی وجہ سے اس کی والدہ اسے چالیس دن میں ایک بار بیوی سے ملنے پر مجبور کرتی۔ مورخ فرنارڈ گرانڈ اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہے کہ بابر کی والدہ اسے چھ مہینے میں ایک بار عائشہ سے ملنے پر مجبور کرتی[3]۔ لیکن تزک کی روشنی میں مورخ موصوف کا بیان حقیقت سے تجاوز کرتا نظر آتا ہے۔

عائشہ سلطان بیگم سلطان مرزا میران شاہ اور قتق شاہ بیگم کی بیٹی تھی۔ پانچ سال کی عمر میں سمرقند میں بابر سے منسوب ہوئی اور گیارہ سال کے بعد (۹۰۵ھ مطابق ۱۴۹۹ء) بمقام خجند ان کی شادی ہوئی یہ مبارک رشتہ دیرپا ثابت نہیں ہوا چند سال بعد اس کو زمانہ کی نظر لگ گئی اور یہ رشتہ منقطع ہوا ان کی ایک بچی بھی ہوئی جو عرصہ موجودات میں قدم رکھتے ہی موت کی آغوش میں سو گئی۔

۹۱۳ھ میں ہم بابر کو معصومہ بیگم کی زلفوں کا اسیر دیکھتے ہیں۔ معصومہ بیگم حبیبہ سلطان بیگم

---

[1] منتخب التواریخ۔ جلد اول صفحہ ۳۴۳ [2] تزک بابری صفحہ ۱۲ (ترجمہ) [3] بابر فرسٹ آف مغلس صفحہ ۳۹

کی لڑکی تھی جو بابر کے خویش و اقارب میں سے تھی۔ معصومہ کی معصومیت نے بابر کو موہ لیا تھا۔ بقول بابر یہ شادی خراسان میں سنہ ۹۱۳ھ میں ہوئی[1] بابر اور معصومہ بیگم دونوں کو ایک دوسرے سے گہرا لگاؤ تھا۔ محترمہ بیورج ہمایوں نامہ کے مقدمہ میں اس رومان انگیز قصہ کو یوں بیان کرتی ہیں:

"She (Masuma Sultan Begam) Married Babur in 913 and from his account of affairs it was love match on both sides."[2]

شادی کے بعد بھی ان دونوں میں وہی ربط، وہی محبت اور وہی یگانگت تھی جو شادی سے پہلے تھی۔ لیکن معصومہ کی زندگی نے وفا نہیں کی۔ معصومہ بیگم وضع حمل کے فوراً بعد راہیِ ملک عدم ہوگئی۔ بابر کو اس کا بہت رنج ہوا۔ اس نے نوزائیدہ بچی کو اسی نام سے پکارا اور اسے معصومہ کی یادگار سمجھ کر دل و جان سے سنبھالا اور محمد زماں مرزا بایقرا سے اس کی شادی کر دی۔

سنہ ۹۲۵ھ بابر کی رومانی زندگی میں گویا سنگِ میل ہے اس وقت بابر یوسف زئی قبیلہ کو زیر اقتدار لانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ یہ قبیلہ اپنے سردار ملک شاہ منصور کے زیر اثر کافی طاقت ور بن چکا تھا ملک شاہ منصور کی لڑکی بی بی مبارکہ اس وقت حسن و جوانی میں بے نظیر تھی۔ ہر کس و ناکس اس کے حسن کا مداح تھا بابر بھی قدرت کے اس شاہکار کے حسن کا چرچہ سن چکا تھا۔ اس وقت وہ بھی ایک جوان فاتح تھا۔ وہ اس ملکۂ حسن سے متاثر ہوا اور اسے بہ چشم خود دیکھنا چاہتا تھا لیکن ابھی حیات کا ماحول سازگار نہیں تھا اس کے اور یوسف زئی قبیلہ کے تعلقات اتنے خوش گوار نہیں تھے کہ وہ اس حسینہ کے دیدار سے آنکھیں سیر کرتا تاہم اس کے دل میں شہزادیِ حسن کو دیکھنے کی آرزو نے تلاطم برپا

[1] ترجمہ تزک بابری صفحہ ۳۲۹ [2] مقدمہ ہمایوں نامہ صفحہ ۲۶۳

کر رکھا تھا۔ بابر نے بی بی مبارکہ کو دیکھنے کی ٹھان لی تھی لہذا بقول غالبؔ

بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ   تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

بابر اس جانِ عالم اور حسنِ عالم کے نظارے کے لئے فقیرانہ لباس پہنے اور ہاتھ میں عصا اور کشتہ لئے یوسف زئی سردار کے دروازہ پر حاضر ہوا کہ دیدار حسن سے جھولی بھرلے۔ ایف گرانڈ کا بیان ہے کہ عید الضحیٰ کے دوران میں بابر ملک شاہ منصور کے احاطۂ مکان میں داخل ہوا جہاں لوگوں کا ایک جم غفیر تھا۔ یوسف زئی قبیلہ کے لوگ عقیدت مندانہ اپنے سردار کی خدمت میں تحفۂ عید مبارک پیش کرنے دور دراز مقامات سے آئے تھے اور دوسری طرف فقیروں کا ایک ہجوم تھا جہاں سردار کے لوگ جن میں بی بی مبارکہ بھی تھی فقیروں کو بھنا ہوا گوشت اور روٹی تقسیم کر رہے تھے فاتح بابر بھی ان میں شامل ہوا بی بی مبارکہ نے اسے گوشت اور روٹی کے ٹکڑے دئے بابر نے اس ماہ رخ اور پری پیکر کو دیکھا۔ اس کے دل میں ایک خیال سا پیدا ہوا۔ شہنشاہیت کی شان و شوکت حسن کے دربار میں سرنگوں ہوگئی بابر اسے ہر قیمت پر اپنانا چاہتا تھا کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ بی بی مبارکہ ایک ایسے قبیلہ سے متعلق ہے جو مغلیہ خاندان کے خون کا پیاسا ہے۔ بابر وہاں سے لوٹا راستہ میں پہاڑوں سے گذرتا گیا اور تھک کر وہ ایک اونچی چٹان پر بیٹھ گیا اور طرفِ دیگر سے حاصل شدہ روٹی جو اس کے لئے من وسلویٰ سے کم نہ تھی نوش کی۔

ملک گیری اور بادشاہت نے بابر کو دور اندیشی کا سبق سکھایا تھا وہ مصلحت اندیش تھا اور یہی ایک خوبی تھی جو بابر سے ہمایوں اور ہمایوں سے ہوتے ہوئے اکبر میں بدرجہ اتم نمایاں ہوئی جس کی مثالیں ایک نہیں دو نہیں بلکہ بے شمار ہیں صرف تاریخ کا مطالعہ شرط ہے۔ بابر بی بی مبارکہ کو حاصل کر کے دشمنی کی آگ کو ہوا دینا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ اس بات سے متفق تھا کہ بی بی مبارکہ کے ذریعہ دونوں خاندانوں میں دوستی اور یک جہتی پیدا ہو جائے دوسرے روز بابر نے اپنے مشیر کار سے مشورہ لیا اور یہی طے پایا کہ یوسف زئی قبیلہ کے سامنے

دوستی کا ہاتھ پھیلائے۔ لہذا اس نے کچھ لوگ قبیلہ کے سردار کے پاس بھیجے اور دوستی قایم کی لیکن ابھی اصل کام باقی تھا۔ بی بی مبارکہ کا خیال اس کے دل میں موجزن تھا بابر اس کے لئے بے چین تھا حالات کو سازگار دیکھ کر بابر نے ملک شاہ منصور کو اپنی خواہش سے آگاہ کیا اور ۹۲۵ھ میں بابر نے بی بی مبارکہ کو اپنا لیا۔ بی بی مبارکہ ایک سردار کی لڑکی تھی وہ اپنے قبیلہ کے لئے دائم امان چاہتی تھی اسی لئے اس نے ایسے سہانے وقت بابر سے خود وعدہ لیا کہ یوسف زئی قبیلہ ہمیشہ مغلوں کے تباہ کن حملوں سے محفوظ رہے گا۔ بابر کی بیٹی گلبدن بیگم اپنی تاریخ ہمایوں نامہ میں رقم طراز ہے کہ شادی کے وقت بابر نے ملک شاہ منصور کو خلعت اور بیش بہا تحفہ عطا کئے اور نہایت احترام سے اس کا خیر مقدم کیا۔ محترمہ اپنی تصنیف میں بی بی مبارکہ کو افغانی آغاچہ کے نام سے یاد کرتی ہے:-

"دریں روز ملک منصور یوسف زئی کہ پدر افغانی آغاچہ باشد آمدہ حضرت را ملازمت کردہ۔ حضرت بادشاہ افغانی آغاچہ را گرفتہ در عقد خود در آوردند و اسپ و سروپای بادشاہانہ عنایت فرمودند"[1]

عرض کیا جا چکا کہ بی بی مبارکہ حسن و خوبی میں بے عدیل و بے نظیر تھی اس کا یہ خداداد اوصاف فاتح حسن بابر کے شاہی حرم سرا میں رشک و حسد کا باعث بن گیا۔ بابر کی دوسری بیویاں نہیں چاہتی تھیں کہ بابر صرف اسی شمع کے گرد چکر کاٹے انھوں نے بابر اور بی بی مبارکہ کی محبت کو کم کرنے کی خاطر بی بی مبارکہ کو نامعلوم طریقہ سے ایک ایسا معجون کھلا دیا جس کی وجہ سے بی بی مبارکہ تادم آخر اولاد سے محروم رہی بی بی مبارکہ اکبر کے دور حکومت میں انتقال کر گئی۔ اس کا بھائی میر جمال ہمایوں اور اکبر کے عہد حکومت میں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھا۔

بابر کی طرح ہمایوں بھی علم پرور اور ادب نواز تھا اور ساتھ ہی بابر کی رومانیت بھی اس کے ورثہ میں چلی آئی تھی۔ وہ بھی حسن پرور اور اس کا دلدادہ تھا۔ مورخین نے اس

---

[1] ہمایوں نامہ صفہ ۱

کی داستانِ معاشقہ کو زمانہ کے ہاتھوں برباد نہیں ہونے دیا بلکہ تاریخ کے اس انمول واقعہ کو بیش بہا موتی سمجھ کر لوحِ ادب پر ٹانک دیا کہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ سکے۔ ہمایوں او حمیدہ کے تعلقات مقبولِ عام ضرور ہیں لیکن بہت کم تاریخیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے سے طبیعت سیر ہوتی ہے۔

حمیدہ بانو میر بابا دوست کی لڑکی تھی۔ میر بابا دوست ہمایوں کے بھائی مرزا ہندال کی ملازمت میں تھا حمیدہ بانو مرزا ہندال کے حرم سرا میں زیادہ مقبول تھی اہلِ حرم کے علاوہ ہندال بھی حمیدہ کو عزیز رکھتا اور اس کی ذہانت اور ہوشیاری پر عش عش کرتا تھا۔ ہمایو کی نظر حمیدہ پر اس وقت پڑی جب وہ ہندال کے یہاں مقیم تھا۔ شاہی رسم کے مطابق مرزا ہندال نے اپنے مہمان بھائی کا خیر مقدم کیا اور اس کے اعزاز میں ایک جشنِ اعلیٰ منعقد کیا۔ تمام لوگ ہمایوں کی خدمت میں آداب بجالائے اور شاہی خدمت سے مشرف و سرفراز ہوتے، حرم سرا کی بیگمات اور دیگر خواتین نے بھی یکے بعد دیگر آداب بجالائیں، ان میں حمیدہ بھی تھی حمیدہ بھی دست بستہ ہو کر آداب بجالائی اور شاہی خدمت سے باریاب ہوئی یہی ملاقات تھی جب کہ ان کی خوش آیند زندگی کی بنیاد رکھی گئی۔

حمیدہ اخلاقِ حمیدہ سے موصوف تھی۔ اس کے خداداد حسن نے ہمایوں کو اس کا پرستار بنا لیا تھا ہمایوں چالیس سال کا ایک معمر انسان تھا اور کافی بیویاں اس کے حرم سرا میں داخل ہو چکی تھیں تاہم حمیدہ کی کشش نے اس میں ایک نئی روح پھونک دی تھی اور اس کے جذبات میں از سر نو ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ ہمایوں اس وقت دربار میں تھا جہاں چل چلاؤ تھا۔ جشن کے اختتام پر وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس کی شاہنشاہیت اور جاہ و عظمت نے حمیدہ کے فروغِ حسن کے آگے ہاتھ ٹیک دئے تھے۔ ہمایوں خاموش تھا لیکن اس کے دل و دماغ میں اضطراب، بے قراری اور بے چینی تھی ایک طرف اپنے وقار و عظمت کا خیال تھا اور دوسری طرف عشق و محبت کا دریا تلاطم خیز تھا۔ ایک طرف تخت تاج اور ان کی محافظت کا خیال دامنگیر تھا اور دوسری طرف عشق نوازیاں مقصود تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا یہ جنون پادشاہت کے لئے آندھیاں

لاکر رہے گا اور مغلیہ سلطنت کی وہ بنیادیں جنہیں بابر نے اپنے خون اور پسینے کے بلبے میں پوری مضبوطی اور استحکام کے ساتھ رکھی تھی متزلزل ہو کر رہ جائے گی لیکن حسن کی سرکار میں سر تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا اس وقت ہمایوں کے سامنے دو راستہ کھلے تھے :

ع یا رقص کی محفل میں بجا تال سے گھنگرو یا جنگ کے میداں میں سُنا تیغ کی جھنکار

شعور کی پختگی اور فکر کی گہرائی تجربہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہ نعمت عالی ہمایوں کو ورثہ میں ملی تھی۔ ہمایوں اپنے باپ کی طرح دور اندیش اور معاملہ شناس تھا وہ مصلحت اندیشی سے کام لینا چاہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ ملکۂ ثانی کے ساتھ حسن پروری بھی کرے اور مغلیہ سلطنت کے سنگ بنیاد کو دائمی صورت بخشے۔ ہمایوں نے حالات پر ہر ممکن زاویہ سے روشنی ڈالی اور ایک ایک جہرے کی جانچ پڑتال کی تب جا کر اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ حمیدہ کے ساتھ شادی ہی گویا کلید کامیابی ہے

سب سے پہلے ہمایوں یہ جاننا چاہتا تھا کہ حمیدہ کس کی بیٹی ہے یہ چیز وہ دربار میں نہیں جان سکتا تھا جہاں اہل دول جمع تھے۔ لہذا وہ اپنی والدہ دلدار بیگم کی خدمت میں پہنچا جہاں اس کا بھائی ہندال بھی خدمت مادری میں موجود تھا ہمایوں نے اپنی اضطراب پذیر حالت پر پردہ ڈالتے ہوئے یہ معلوم کر لیا کہ حمیدہ بانو میر بابا دوست کی لڑکی ہے۔ ہمایوں نے ان دونوں کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور دلدار بیگم سے یہ گذارش کی کہ وہ حمیدہ کا رشتہ اس سے جوڑ دے۔ ہندال کو ہمایوں کی یہ تجویز پسند نہ آئی اس نے ہمایوں اور حمیدہ کے درمیان عمر کا بہت بڑا فرق پایا۔ ہندال نہیں چاہتا تھا کہ ہمایوں جیسے متلون مزاج اور معمر شخص کے ساتھ حمیدہ کا رشتہ طے کر دے۔ ہندال کو حمیدہ سے ایک خاص لگاؤ تھا۔ حمیدہ ہندال کی بچیوں کی سہیلی تھی۔ اس نے حمیدہ کو اپنی لڑکی اور بہن کی طرح پالا تھا اس نے دل دار بیگم اور ہمایوں کو صاف اور کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ حمیدہ کم عمر لڑکی ہے اس کی اور ہمایوں کی عمر میں خاصہ نمایاں فرق ہے نیز اس نے حمیدہ کو اپنی بچی کی طرح چاہا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمایوں اس قسم کی خواہش کا اظہار کرے۔ اسے ہمایوں سے ہمدردی ضرور تھی لیکن اس معاملہ میں وہ سخت مخالف تھا۔

ہمایوں کو ہندال سے یہ توقع نہ تھی۔ ہندال کے جواب نے ہمایوں کے غصہ کو برانگیختہ کر دیا اور ہمایوں مارے غصہ کے وہاں سے چلا گیا:

لہ "روز دیگر باز حضرت بدیدن حضرت والدہ دل دار بیگم آمدند کہ دختر او (میر بابا) را بما نسبت بکنید مرزا ہندال عذرہائے گفتند کہ ایں دختر را من مثل خواہر و فرزند خود میدانم حضرت پادشاہ اند...... حضرت پادشاہ خشم کردہ برخاستہ رفتند۔"

دلدار بیگم آخر ماں تھی۔ ہمایوں کا اس طرح ناراض ہو کر چلا جانا اسے مطلق نہیں بھایا۔ جس حکومت کا سنگ بنیاد اسی کے محبوب شوہر نے رکھا تھا اس کی تکمیل ابھی باقی تھی اور یہ کام ہمایوں کو کرنا تھا دلدار بیگم نے ہمایوں کو تسلی بخش خط لکھا کہ حضور ناراض نہ ہوں جس آرزو کا اظہار آپ کی طرف سے ہوا ہے اس سے قبل حمیدہ کی ماں نے حمیدہ کے لئے کیا ہے:۔

لہ "مادر دختر از یں ہم بیشتر ناز می کند"

اس خط نے ہمایوں کے دل بے قرار کو قرار دیا اس نے فوراً دل دار بیگم کو جواب لکھا کہ وہ اس رشتہ سعید کے جوڑنے میں عجلت کرے اور مزید لکھا کہ طرف دیگر کی جو بھی شرطیں ہوں بسر و چشم قبول کر لیں کہ سکون قلب مقصود ہے:

لہ بادشاہ در جواب نوشتہ فرستادند کہ ایں حکایت شما بہ ما بسیار خوش آمد ہر نازی کہ کشد بسر و چشم قبول داریم"

یہاں یہ نوٹ کر لینا چاہیے کہ دل دار بیگم نے یہ خط محض ہمایوں کی دل جوئی کے لئے لکھا تھا کیوں کہ حمیدہ کے بے خوف و بے ڈر جوابات جو اس نے ہمایوں اور دل دار بیگم کو دئے ہمیں یہ تسلیم کرنے پر راضی نہیں کرتے کہ حمیدہ کی ماں نے حمیدہ کو ملکہ بنانے کی خواہش کا اظہار دل دار بیگم یا کسی اور کے سامنے کیا ہو۔

لہ ہمایوں نامہ صہ۵۲ لہ ہمایوں نامہ صہ۵۲ لہ ایضاً

حمیدہ بانو بیگم ہر بات کو بڑی خوبی سے سوچتی اور سمجھتی تھی اس نے ہمایوں کی التماس کو ہر پہلو سے دیکھا اور ہر سمت سے اس پر روشنی ڈالی۔ شادی کا مسئلہ اس کے لئے ایک اہم مسئلہ تھا وہ اس رشتہ کو ایک مقدس اور پاک رشتہ خیال کرتی تھی اور ازدواجی زندگی کا مقصد اس کے پاس ایک ایسی زندگی تھی جس میں شوہر اور بیوی دونوں کا حق برابر ہو اور دونوں اس زندگی کو کامیاب بنانے میں کوشاں رہیں۔ ان خیالات کی روشنی میں حمیدہ کو یقین نہ تھا کہ ہمایوں کے ساتھ شادی کرکے وہ زندگی کے سہانے خواب دیکھ سکتی ہے کیونکہ ہمایوں ایک معمر شخص تھا اور وہ ایک نوخیز دوشیزہ یہ دونوں شاید ہی ہم خیال ہو سکتے ہیں، حمیدہ اس بات سے بھی واقف تھی کہ ہمایوں افیون کا شائق ہے جس کی زندگی بغیر افیون کے بے جان ہے ان وجوہات کی بنا پر حمیدہ نے ہمایوں کی خواہش کو ٹھکرا دیا۔

ہمایوں کی بے چینی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ حمیدہ کو اپنی خدمت میں بلانا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے حمیدہ بانو کو طلب کیا۔ حمیدہ نے صاف کہہ دیا کہ جہاں تک شاہی رسم کا تعلق تھا میں خدمت سے مشرف ہوئی اب کیا ضروری ہے کہ میں دوبارہ ہمایوں کی خدمت میں جاؤں۔ اس نے انکار کر دیا:

ؔ "دگفتند کہ کس فرستیدہ حمیدہ بانو بیگم را طلبیدہ بیارد . . . . . . حمیدہ بانو نہ آمدند گفتند اگر غرض ملازمت است خود آں روز بملازمت مشرف شدہ ام۔ دیگر برائے چہ بیایم"۔

ہمایوں نے اپنے خاص ملازم سبحان قلی کو ہندال کے پاس بھیج کر حمیدہ کو طلب کیا۔ سبحان قلی نے ہندال کو شاہی فرمان سے مطلع کیا۔ ہندال خود بھی اس معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس معاملہ میں حمیدہ اس کی ایک بھی نہ سنے گی۔ اس نے سبحان قلی سے یہی کہا کہ وہ خود جا کر حمیدہ کو شاہی فرمان سنائے اور اگر وہ تعمیل کرنے

ؔ ہمایوں نامہ صـ۵۲

کے لئے راضی ہو جائے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ سبحان قلی نے ایسا ہی کیا لیکن حمیدہ پر اس کا اثر نہیں ہوا۔ حمیدہ ہمایوں کی بے لوث محبت کو سمجھنے سے قاصر تھی اس کی نظروں میں ہمایوں حسن پرست اور ہوس پرست تھا اور وہ اس کی ہوس پرستی کا شکار بننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ یہی سمجھتی تھی کہ ہمایوں اس وقت اس کے حسن سے مرعوب ہے ممکن ہے کل وہ اسے ٹھکرا دے اور اس کی زندگی کو تاریک تر بنا دے۔ حمیدہ خود بھی اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ وہ ملکہ بننے کی خواہش کرے سہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اس نے سبحان قلی کو جواب دیا کہ بادشاہ کو ایک مرتبہ دیکھنا جائز ہے دوسری مرتبہ دیکھنا ناجائز و نامحرمی ہے میں نہیں آؤں گی:

[1] "بیگم جواب دادند کہ دیدن پادشاہ یک مرتبہ جائز است در مرتبہ دیگر نامحرم است۔ من نمی آیم"

حمیدہ کے اس جواب پر ہمایوں سخت غصہ ہوا اس نے کہا کہ ہم نامحرم کو محرم بنائیں گے:

[2] "حضرت فرمودند اگر نامحرم اند محرم می سازیم"

ہمایوں نے اس سلسلہ میں کافی جد و جہد کی اور ہر ممکن طریقہ سے حمیدہ کی خوشنودگی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی صورت نظر نہ آئی۔ حمیدہ اپنے فیصلہ پر اٹل رہی۔ ہمایوں کی ناراضگی دل دار بیگم کو گوارا نہ تھی وہ خود حمیدہ کے پاس گئی اور اسے سمجھایا کہ حمیدہ تو آخر لڑکی ہے تجھے کسی سے شادی کرنا ہی پڑے گی اس لئے ایک بادشاہ کا کیوں نہ انتخاب کرے اس کے علاوہ دل دار بیگم نے پند و نصائح سے بھی کام لیا تاکہ حمیدہ مان جائے اور مغلیہ حکومت کے تاجدار کو ایک نئی زندگی دے دے جو اس کے بغیر بے کیف بن چکی ہے۔ چالیس روز تک حمیدہ کی خوشنودگی حاصل کرنے کے لئے کوششیں کی گئیں لیکن کوئی جواب امید بخش نہیں ملا۔

---

[1] ہمایوں نامہ صہ ۵۲ [2] ایضاً صہ ۵۳

لہ "غرض کہ چہل روز از جہت حمیدہ بانو بیگم مبالغہ و مناقشہ بود و لی بیگم راضی نہ شدند...

حضرت والدہ ام دل دار بیگم نصیحت کردند کہ آخر خود بکسی خواہد رسید بہتر از بادشاہ کہ خواہد بود"۔

دل دار بیگم کا احترام حمیدہ کے دل میں ضرور تھا کیونکہ اس کا باپ اس کا بھائی بلکہ تقریباً پورا کنبہ شاہی ملازمت سے سرفراز تھا اس کے باوجود بھی حمیدہ نے ملکہ کو یہی جواب دیا کہ میں شادی ضرور کروں گی لیکن اس شخص کے ساتھ جس کے گریبان تک میرا ہاتھ پہنچ سکے نہ کہ ایک ایسے شخص کے ساتھ جس کے دامن تک بھی میرا ہاتھ نہ پہنچ سکے:

لہ "بیگم گفتند کہ آری بکسی خواہم رسید کہ دست من بگریبان او رسد نہ آنکہ بہ کسی برسم کہ دستِ من می دانم بدامن او نرسد"

تاہم دل دار بیگم کے الفاظ بے سود ثابت نہ ہوئے۔ حمیدہ نے دل دار بیگم کے خیالات پر دوبارہ روشنی ڈالی اسے دل دار بیگم کے الفاظ یاد آئے کہ اگر ہمایوں کو اس کی طرف سے ناامیدی ہو جائے گی تو مغلیہ سلطنت نیست و نابود ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں یہ چیز بھی حمیدہ کے مدِ نظر تھی کہ ہمایوں کے دل میں کچھ تو ہے جس کی وجہ سے وہ اتنا بے قرار ہے محض ہوس پوری ہی مقصود ہوتی تو ہمایوں نے بہت پہلے اس کا خیال ترک کر دیا ہوتا اس کے لئے کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ غرض کہ حمیدہ نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ ہمایوں نے اسطرلاب کے ذریعہ خود تاریخ نکالی اور جمادی الاول ۹۴۷ھ میں میر ابوالبقار نے ان کا خطبۂ نکاح پڑھا[۳]۔ ہمایوں نے میر ابوالبقار کو دو لاکھ روپئے اور خلعت سے سرفراز کیا۔ یہ شادی بمقام پاتر ہوئی:

لہ "غرض کہ بعد از چہل روز ماہ جمادی الاول ۹۴۷ھ نہصد و چہل و ہشت در مقام پاتر روز دوشنبہ نیم روز بود کہ اسطرلاب را حضرت بادشاہ بدست مبارک خود گرفتہ اند و بساعت سعد را اختیار کردہ میر ابوالبقار اطلبیدہ حکم فرمودند کہ نکاح بستند۔ مبلغ دو لک نکاحانہ بمیر ابوالبقاء دادند"

لہ ہمایوں نامہ ص۵۳ ۲ہ ایضاً ۳ہ یہ شادی پیر کے روز دوپہر میں ہوئی ۴ہ ہمایوں نامہ ص۵۳ اور منتخب التواریخ حصہ اول ص۴۴۲

جہانگیر کی حیات معاشقہ تاریخ کے اوراق مزین کئے ہوئے ہے اس کا اور نور جہاں کا رومان انگیز قصہ اور اس کی شہرت جہانگیر اور عالم گیر بن چکی ہے۔ ان کے رومان کو جس رنگ میں اور جس طریقہ سے مورخین نے زمانہ کے سامنے بطور یادگار پیش کیا ہے اس میں حقیقت کا پہلو کم اور مبالغہ کی اکثریت ہے جس کی وجہ سے نور جہاں اور جہانگیر کی عزت و عفت پر ایک ضرب کاری لگ چکی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی جہانگیر کا ذکر آتا ہے تو نظروں کے سامنے ایک عیاش عاشق کا مجسمہ کھڑا ہو جاتا ہے یہ غلط فہمی نسل در نسل پھیلتی جا رہی ہے حتیٰ کہ اسے حقیقت سمجھ کر اسٹیج پر اور پردہ سیمیں پر پیش کیا جاتا ہے۔ دراصل اس قسم کی غلط فہمی اور ان لوگوں کے متعلق اس قسم کے من گھڑت قصہ کی تخلیق ان سے کئی سال بعد کے مورخوں نے کی ہے۔ مثلاً خفی خاں صاحب منتخب اللباب اور سجان رائے مصنف خلاصۃ التواریخ اس کی بابت ہمیں ان تاریخوں اور کتابوں پر اعتبار کرنا چاہئے جو جہانگیر یا اس سے کچھ سال قبل قبل یا بعد میں لکھی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے اکبر نامہ۔ آئین اکبری۔ منتخب التواریخ۔ طبقات اکبری۔ اقبال نامہ جہانگیری اور تزک جہانگیری زیادہ مفید ہیں لیکن پہلی چار کتابوں میں اس واقعہ کے متعلق چھان بین کرنا بے سود ہے کیوں کہ ان مورخین نے اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ غالباً یہی ہو سکتی ہے کہ یہ تصانیف غیاث بیگ کے آنے سے پہلے لکھی جا چکی تھیں پس اس قصہ کی تحقیق کے لئے ان کے علاوہ دیگر درج شدہ کتابیں مفید اور قابل اعتماد ہیں۔

سب سے پہلے جس رنگ اور جس ڈھب میں قصہ کو پیش کیا گیا ہے اس کے متعلق جاننا ضروری ہے۔ منتخب اللباب کا مصنف اس قصہ کو یوں بیان کرتا ہے: وہ لکھتا ہے کہ جب نور جہاں سن رشد کو پہنچی تب جہانگیر کبھی کبھار اس سے نظریں ملاتا۔ آہستہ آہستہ اس کا دل نور جہاں کی طرف مائل ہوا۔ ایک روز جب کہ محل میں یکتائی اور خاموشی کا عالم تھا تب سلیم نے نور جہاں کو فرط محبت سے پکڑ کر اپنی باہوں میں بھینچ لیا۔ نور جہاں نے بڑی جد و کد کے بعد اپنے آپ کو سلیم کی گرفت سے

آزاد کیا اور محل کی دیگر بیگمات کے سامنے شوخ شہزادہ کی شکایت کی۔ یہ خبر اکبر کے کانوں تک پہنچی جس کی وجہ سے اکبر نے غیاث بیگ کو تنہائی میں یہ مشورہ دیا کہ وہ جلد از جلد مہرالنساء کی شادی کر دے لہٰذا اکبر کے مشورہ سے غیاث نے علی قلی خاں استجلو عرف شیر افگن کے ساتھ اپنی بیٹی نورجہاں کی شادی کر دی۔ مورخ مزید رقمطراز ہے کہ اکبر نے شیر افگن کو بنگال میں جاگیر عطا کی اور اسے وہاں روانہ کر دیا۔ سلیم نے اپنی تخت نشینی کے بعد قطب الدین خاں کو کلتاش کو بنگال کا صوبہ دار مقرر کیا اور شیر افگن کے خلاف کچھ کہہ کر اسے بنگال کو روانہ کر دیا بقول مورخ قطب الدین کے اس تقرر سے شیر افگن نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جہانگیر کے دل میں اس کی بیوی مہرالنساء کی محبت اب تک بھڑک رہی ہے چنانچہ اس نے حلقہ فرمانبرداری کو گلے سے نکال پھینکا۔ قطب الدین نے تھوڑے لوگ بھیج کر شیر افگن کو طلب کیا لیکن اس نے بڑی بے پروائی برتی حتیٰ کہ قطب الدین خود اس کی جاگیر میں پہنچا شیر افگن اپنے آپ کو مسلح کر کے چند آدمیوں کے ہمراہ قطب الدین کی ملاقات کو بڑھا آہستہ آہستہ ان کی گفتگو نے بحث و تکرار کی صورت اختیار کر لی۔ اب شیر افگن کو یقین ہو گیا کہ یہاں سے مارنے یا مرنے کے سوا دوسرا راستہ نہیں ہے لہٰذا اس نے اپنی شمشیر سے قطب الدین کو اس طرح گھائل کیا کہ اس کی آنتیں نکل پڑیں۔ اور وہ وہیں زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھیوں نے شیر افگن پر پے در پے وار کئے شیر افگن سخت زخمی ہوا اور اسی حالت میں گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے چل دیا تاکہ اپنے سے پہلے اپنی بیوی مہرالنساء کو بھی ختم کر دے اور اس طرح سلیم کی حسرت ادھوری رہ جائے مکان پر پہنچا تو اس کی خوشدامن نے شیر افگن کے ارادے کو اس کے زخم آلود چہرے سے بھانپ لیا اور وقت کی نزاکت کو دیکھ کر اندر سے رونے کا شور و غل مچایا اور کہا کہ مہرالنساء نے اپنے شوہر کے قتل کی خبر سن کر اپنے آپ کو کنوئیں میں ڈھکیل دیا اور مزید کہا کہ وہ فوراً جا کر اپنے زخموں پر مرہم لگوائے لیکن شیر نڈھال ہو چکا تھا وہ زمین پر گر پڑا جہاں سے دوبارہ اٹھ نہ سکا۔ اس حادثہ کے بعد مہرالنساء کو شاہی محل سرا روانہ کر دیا گیا جہاں جہانگیر نے مناکحت و مواصلت کی آرزو کا اظہار کیا۔[1]

---

[1] منتخب اللباب حصہ اول ص ۲۶۷-۲۶۶

خفی خاں کے بعد سبحان رائے نے اپنی تاریخ خلاصۃ التواریخ میں اس قصہ میں اور بھی رنگ آمیزی کی اس کا بیان ہے کہ اس ماہ زہری تمثال کے جمال بے مثال سے مرعوب ہو کر جہانگیر نے شیر افگن کو اپنے راستہ کا کانٹا سمجھ کر اسے مروا ڈالا گویا اس مورخ کی رائے کے مطابق شیر افگن کا قاتل جہانگیر تھا:

"حضرت خاقانِ زماں با صفائے خوبہائے آں ماہ لقا تخم عشق و محبت در مزرعہ جان می افشانند دریں صورت عجب نیست کہ شیر افگن بموجب امر والا بہ قتل رسیدہ باشد"۔[1]

الغرض ان تاریخوں کو منبع معتبر سمجھ کر مورخوں نے اس قصہ کو جو شہرت دی ہے وہ اظہر من الشمس ہے ؎ چوں رہِ حقیقت ندیدند رہِ افسانہ زدند۔ ان کے بعد کے ہر مورخ نے اس قصہ کے لکھنے میں خیال آرائیاں اور رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ تاریخ ہند کا مورخ ڈوی لکھتا ہے کہ نور جہاں نے ملکہ بننے کی خاطر جہانگیر پہ ڈورے ڈالنے شروع کئے اور اپنے رعنائے حسن اور غمزہ ہائے دلربا سے جہانگیر کے دل کو فتح کیا لیکن افسوس کہ اس کی شادی شیر افگن سے کر دی گئی۔ جہانگیر نے خفیہ طور پر شیر افگن کے قتل کا حکم جاری کیا۔ مورخ موصوف مزید لکھتا ہے کہ جب شیر افگن قتل ہو چکا تب نور جہاں نے دوبارہ جہانگیر کو اپنی طرف مائل کیا اور چار سال کے بعد شادی کر لی:[2] " She

" She (Nurjehan) aspired to The conquest of the Prince salim and succeeded by a dexterous use of her charms and accomplishments at an entertainment in casting a spell over him. But she was married to Sher-Afghan — Jehangir on his accession — devised, in vain, various expedients to get rid

---

[1] خلاصۃ التواریخ ص۴۴۳ [2] جہانگیر از گلیڈون ص۱۷

of Sher Afghan who killed his assasins, who had been set according to secret imperial order to invade his house at Burdawan at night. The vile crafty lady once more laid her palms to captivate Jehangir and after four years completely succeeded.

آزاد کا بھی بیان سن لیجئے جو انھوں نے کہن سال بزرگوں سے سنا ہے۔ مینا بازار کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:-

"لیکن قابل عبرت وہ معاملہ ہے جو کہن سال بزرگوں سے سنا ہے یعنی یہی مینا بازار لگا ہوا تھا بیگمات پڑی پھرتی تھیں جیسے باغ میں قمریاں یا ہریاول میں ہرنیاں جہانگیر ان دنوں نوجوان لڑکا تھا بازار میں پھرتا چمن میں آنکلا ہاتھ میں کبوتر کا جوڑا تھا سامنے کوئی پھول کھلا ہوا نظر آیا کہ عالم سرور میں بہت بھایا چاہا کہ توڑے دونوں ہاتھ رکے ہوئے تھے وہیں ٹھیر گیا سامنے سے ایک لڑکی آئی شہزادے نے کہا بوا ہمارے کبوتر تم لے لو ہم وہ پھول توڑ لیں لڑکی نے دونوں کبوتر لے لئے شہزادے نے کیاری میں جاکر چند پھول توڑے پھر کر آیا تو دیکھا کہ لڑکی کے ہاتھ میں ایک کبوتر ہے پوچھا دوسرا کبوتر کیا ہوا؟ عرض کی صاحب عالم وہ تو اڑ گیا۔ پوچھا۔ ہیں! کیوں کر اڑ گیا اس نے ہاتھ بڑھا کر دوسری مٹھی بھی کھول دی کہ حضور یوں اڑ گیا اگرچہ دوسرا کبوتر بھی ہاتھ سے گر گیا مگر شہزادے کا دل اس انداز پر لوٹ گیا۔ پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کی مہر النساء خانم۔ تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ عرض کی مرزا غیاث حضور کا ناظم بیوتات ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ سلام کرکے رخصت ہوئی جہانگیر باہر آگیا مگر دونوں کو خیال رہا تقدیر کی بات ہے کہ پھر جو مرزا غیاث کی بی بی بیگم کے سلام کو محل میں جانے لگی تو بیٹی کے کہنے سے اسے بھی ساتھ لیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آہستہ آہستہ آمد و رفت زیادہ ہوئی شہزادے کا یہ عالم کہ جب وہ ماں کے پاس آئے تو وہاں موجود وہ دادی کے سلام کو جائے تو یہ وہاں حاضر کسی نہ کسی بہانے سے خواہ مخواہ اس سے بولتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عرض کہ بیگم تاڑ گئی اور خلوت

میں بادشاہ سے عرض کی۔ اکبر نے کہا کہ مرزا غیاث کی بیوی کو سمجھا دو چند روز لڑکی کو یہاں نہ لائے۔ اور مرزا غیاث سے کہا کہ لڑکی کی شادی کر دو"

القصہ یہ تمام واقعات من گھڑت ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مولوی فریدی اپنے ذیل کے الفاظ میں اس من گھڑت قصہ کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عبدالحمید اور دوسرے شاہ جہانی مورخین کے دماغ کی اختراع ہے:

"ملکہ عالیہ نور جہاں بیگم اور شاہ جہاں اعظم کی شکر رنجیوں کا کس کو علم نہیں جب جہانگیر نے جہان کی دار وگیر سے نجات پائی تو اس خاتون اعظم کے اثر واقتدار کو ملیامیٹ کرنے کے لئے کئی قسم کے افسانے تراشے گئے۔ چنانچہ شیر افگن کا قتل، جہانگیر کا شہزادگی کے زمانہ میں نور جہاں سے تعشق، نور جہاں کا قندہار کے بے آب وگیاہ میدان میں پیدا ہونا ..... وغیرہ سب مورخ ملا عبدالحمید لاہوری اور دوسرے شاہ جہانی مورخین کے دماغ کی اختراع ہے"[1]

جہانگیر یا اس کے کچھ بعد کی تصانیف میں کہیں بھی اس قسم کے قصہ کا سراغ نہیں ملتا۔ بلکہ ان تصنیفات میں نور جہاں اور جہانگیر کے متعلق جو معلومات دستیاب ہوتی ہیں وہ بیان کردہ قصہ سے متضاد و برعکس ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جہانگیر خود اپنی تزک میں اس کا ذکر نہیں کرتا۔ اقبال نامہ جہانگیری کا مصنف جو جہانگیر کا ہم عصر اور اس کی خدمت میں ملازم تھا اس قصہ کی حقیقت پر یوں روشنی ڈالتا ہے اس کا بیان ہے کہ شیر افگن کے قتل کے بعد نور جہاں بنگال سے واپس آئی اور شاہی محلسرا میں داخل خدمت ہوئی۔ کچھ عرصہ کے بعد جشن نوروز کے وقت جہانگیر نے اسے دیکھ لیا اور اس کے حسن وادا سے مرعوب ہو کر اسے اپنایا:

"[2]شیر افگن ..... آوارہ بادیہ عدم گردید بہ حکم اشرف متصدیاں صوبہ بنگال صبیہ مرزا غیاث بیگ را ..... روانہ درگاہ والا ساختند ..... بالجملہ از نیرنگیہای آسمانی روزی در جشن نوروز جہاں فروز بنظر در آمد آنحضرت مقبول آمدہ در سلک پرستاران حرم سرائے خلافت انتظام یافت"

---

[1] نقاد کراچی دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۱ [2] اقبال نامہ صفحہ ۵۵

ظاہر ہے کہ جہانگیر اور نورجہاں میں تعلقات شیر افگن کے قتل کے بعد پیدا ہوئے۔ اقبال نامہ کے درج کردہ الفاظ کے علاوہ ایسے واقعات و حالات بھی ملتے ہیں جن سے یہ نتیجہ برآمد کیا جا سکتا ہے کہ نورجہاں اور جہانگیر کے متعلق جو روایات شہرۂ آفاق ہیں وہ حقیقت سے متجاوز ہیں۔ ان دونوں کے متعلق لایق اعتبار معلومات جو ہمیں ملتی ہیں وہ یوں ہیں:

اقبال نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ نورجہاں کا دادا خواجہ محمد شریف خراسان کے تاتار سلطان بیگ بیگی کی خدمت میں وزارت کے عہدہ پر مامور تھا سلطان کی موت کے بعد اس کے جانشین قزق خاں کا بھی وہ وزیر رہا اور اس کے بعد شاہ طہماسپ کی خدمت میں داخل ہوا۔ شاہ نے اسے یزد کا وزیر متعین کیا ۱۵۷۶ء میں خواجہ شریف کی موت کے بعد اس کے کنبہ پر ایک آسمان ٹوٹ پڑا اس کا لڑکا غیاث بیگ ناسازی زمانہ سے تنگ آکر تلاش معاش میں ہندوستان کی طرف چلا۔ اس وقت اس کے ساتھ اس کی بیوی دو لڑکے محمد شریف اور ابوالحسن اور بڑی لڑکی ساتھ تھے چونکہ راستہ خطرناک تھا اس لئے ایک قافلہ کے ہمراہ جس کا قافلہ سالار ملک مسعود نامی تاجر تھا ہندوستان کا رخ کیا ناچاکیٔ فلک نے یہاں بھی ساتھ نہ چھوڑا غیاث کا بیشتر مال ڈاکوؤں اور قزاقوں کی نذر ہوا۔ قندھار پہنچا تو لڑکی پیدا ہوئی لیکن ان میں اتنی استعداد نہ تھی کہ اس نوزائیدہ بچہ کی پرورش کر سکیں۔ افلاس اور گردش فلک نے ماں کی مامتا کو بھی مغلوب کر لیا تھا۔ غیاث بیگ نے بچہ کو راستہ ہی میں چھوڑا لیکن ابھی دو قدم بھی نہ چلے تھے کہ ماں کی مامتا نے پکارا باپ کا دل دہل گیا۔ غیاث پھر واپس ہوا اور دیکھا کہ بچی کی حفاظت کے لئے قدرت نے ایک اژدہے کو وہاں بھیجا ہے جو اس کے گرد حلقہ کئے بیٹھا ہے غیاث نے اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کیا اور بچی کو سینہ سے لگا لیا۔ ملک مسعود کو ان کی بے کسی اور لاچاری پر ترس آیا اور اس نے ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ قافلہ بڑھتا گیا مسعود اور غیاث میں دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے۔ ملک مسعود اکبر کا منظور نظر اور عنایت یافتہ تھا اس نے غیاث بیگ اور اس کے لڑکے ابوالحسن کو اکبر کی خدمت میں پیش کیا جہاں ان کی قسمت چمکی

اکبر نے انھیں اپنی خدمت میں داخل کیا۔ یہی مورخ مزید لکھتا ہے کہ جب کبھی ملک مسعود اکبر کی خدمت میں حاضر ہوتا اکبر کسی عمدہ اور بہترین تحفہ کی توقع کرتا۔ اس وقت بھی اکبر نے ملک مسعود سے دریافت کیا کہ ملک مسعود کون سا تحفہ خدمت شاہی میں لایا ہے چنانچہ مسعود نے غیاث اور ابوالحسن کو پیش کیا اور ان کی لیاقت شرافت اور دیانت کی تعریف کی[1]

"بعدہ ملک مسعود کہ در خدمت عرش آشیانی در شاہی وآبرو داشت ہمیشہ تحف وہدایا آوردہ

شرف اندوز ملازمت میگردید"...... عرش آشیانی فرمودند کہ ایں دفعہ خلاف سالہای

دیگر تحفہ قابل سرکار نیاوردہ در جواب التماس نمود کہ کدام تحفہ نزد ماکہ پاس فروشاں لایق

ایں درگاہ آسمان بارگاہ می تواند بود اما دریں سفر دو سہ جواہر بے بہا جاندار آوردہ اند"

خدمت شاہی میں داخل ہونے کے بعد غیاث بیگ نے اپنی لیاقت کے جوہر دکھائے اور بادشاہ سے آفریں حاصل کی۔ اکبر اس کے کارناموں سے خوش ہو کر اسے معزز عہدہ دیتا گیا حتی کہ ۱۵۹۵ء میں اکبر نے اسے کابل کا دیوان مقرر کیا اسی دوران میں علی قلی خاں استجلو جو ایران کے شاہ اسماعیل ثانی کا سفرہ چی تھا اکبر کی خدمت میں داخل ہوا اس کی قابلیت اور جوانمردی سے خوش ہو کر اکبر نے غیاث کی لڑکی مہرالنسا سے اس کا بیاہ کر دیا۔ جہانگیر نے اپنے دوران حکومت میں علی قلی استجلو کو اس کی جوانمردی سے متاثر ہو کر اسے شیر افگن کا خطاب دیا اور بنگال میں جاگیر دے کر وہاں روانہ کیا۔ بنگال میں شیر افگن اور مہرالنسا مسرت کی زندگی گذار رہے تھے شیر افگن کے بدخواہوں نے جہانگیر کو اس کے خلاف اکسایا اور یہ بات اس کے گوش گذار کی کہ وہ بنگال میں نافرمانبرداری کر رہا ہے۔ اس وقت بنگال ان افغانوں کا مرکز بنا ہوا تھا جو مغلیہ حکومت کی بیخ کنی کے منصوبے لئے ہوئے تھے جہانگیر نے یہاں کے حالات کو خوشگوار اور سازگار بنانے کی خاطر قطب الدین خاں کوکلتاش کو کہ کو بنگال کا صوبہ دار بنا کر روانہ کیا اور یہ بھی کہا کہ شیر افگن کے متعلق کوئی شبہ ہو تو اسے پند ونصائح سے

[1] منتخب اللباب ص

راہ راست پر لائے اگر وہ نافرمانی کرے تو اسے ہماری خدمت میں روانہ کردے۔ قطب الدین سیاست کے میدان میں اتنا کامل نہ تھا اس نے کوتاہ اندیشی سے کام لیا اور غلط پالیسی اختیار کرکے چند مسلح سپاہیوں کے ہمراہ شیر افگن کی جاگیر میں داخل ہوا اور اسے طلب کیا شیر افگن اس بات سے سخت متعجب ہوا کہ قطب الدین یکایک بغیر اطلاع کے سپاہیوں کا دستہ لے کر اس کی جاگیر میں کیوں کر داخل ہوا۔ اسے شبہ ہوا کہ ضرور کوئی بات ہے۔ شیر افگن بھی مع ایک دو سپاہیوں کے قطب الدین کی ملاقات کو بڑھا لیکن قطب الدین کے سپاہیوں نے اسے گھیر لیا۔ شیر افگن کو حالات خطرناک معلوم ہوئے قطب الدین نے دورانِ گفتگو میں غیر عاقلانہ رویہ اختیار کیا جو شیر افگن کو پسند نہ آیا کیوں کہ اس قسم کے رویہ سے اس کی عزت و حرمت کو سخت چوٹ آئی اب اس کے لئے یہاں سے مار کر یا مر کر نکل جانے کے سوا کوئی راستہ سامنے نہ تھا لہٰذا اس نے قطب الدین پر اپنی تلوار سے کچھ ایسے وار کئے کہ اس کی آنتیں باہر نکل پڑیں اور وہ زمین پر گر پڑا۔ انبہ خاں کشمیری نے جو قطب الدین کا وفادار اور جاں نثار نوکر تھا شیر افگن کے سر پر وار کئے۔ شیر اپنے زخموں کے باوجود اس پر ٹوٹ پڑا اور اس کا کام تمام کیا۔ سپاہیوں نے جو اس وقت اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے اس پر پے در پے وار کئے اور اسے قتل کر ڈالا۔

شیر افگن کی موت کے بعد اس کے مکان میں ایسا کوئی فرد نہ تھا جو پس ماندگان کو سنبھالتا لہٰذا شاہی فرمان کے مطابق نور جہاں کو شاہی محل میں داخل کردیا گیا جہاں وہ جہانگیر کی والدہ کی خدمت میں داخل ہوئی۔ مارچ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے اس ماہ رو کو جشن نوروز کے وقت دیکھا مہر النساء کا حسن اسے اتنا بھایا کہ وہ اس پر فریفتہ ہوگیا اور دوسرے ہی مہینہ میں اس سے شادی کرلی[۱]۔

جہانگیر کے حبالۂ نکاح میں آنے کے بعد مہر النساء نے جو ترقی کی وہ ہر شخص جانتا ہے۔

معتمد خاں یوں رقمطراز ہے:

"دانا فانا پایۂ عزت و قبول ارتقاء اعتلا پذیرفت نخست نور محل نام کردند و پس از دوزی چند خطاب[۲]

۱۔ منتخب اللباب صد ۵۶ ۲۔ ایضاً

نور جہاں بیگم عنایت شد۔ جمیع خویشاں و منتسبان او بانواع مراحم و نوازش اختصاص یافتند شعر

کنند خویش و تبار تو نازوی زیبد بحسن یک تن اگر یک قبیلہ ناز کند

نور جہاں کا اقتدار اس سے زیادہ بلند کیا ہو سکتا ہے کہ اس کا نام جہانگیری عہد کے سکوں پر منقش ہوا یہ شعر جس میں اس کا نام ہے سکوں پر منقش کیا گیا: شعر

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زد

تفسیر مظہری (عربی)

علماء، طلبا اور عربی مدرسوں کے لئے شاندار تحفہ

مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے "تفسیرِ مظہری" تفسیر کی تمام کتابوں میں بہترین سمجھی گئی ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے اپنی مثال نہیں رکھتی، یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم الشان تفسیر کے بعد کسی تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی۔ امام وقت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کا یہ عجیب و غریب نمونہ ہے۔

اس بے مثال کتاب کا پورے ملک میں ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔ شکر ہے کہ برسوں کی جد و جہد کے بعد آج ہم اس لائق ہیں کہ اس متبرک کتاب کے شایع ہونے کا اعلان کر سکیں . . . . . تمام جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

ہدیہ غیر مجلد: جلد اولؔ ساتؔ روپے۔ جلد ثانیؔ سات روپے۔ جلد ثالثؔ آٹھ روپے۔ جلد رابعؔ پانچ روپے۔ جلد خامسؔ سات روپے۔ جلد سادسؔ آٹھ روپے۔ جلد سابعؔ ... روپے۔ جلد ثامنؔ سات روپے۔ جلد تاسعؔ پانچ روپے۔ جلد عاشرؔ پانچ روپے ہدیہ کامل دس جلد ... ساٹھ روپے۔

رعایتی ساٹھ روپے

مینیجر:- ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶